قرآن اور یہ کائنات!

عبدالرشید سیال

یہ ذکر ہے لازماں و لامکاں کا، جب کائنات اور وقت ابھی وجود میں نہیں آئے تھے۔ جب حکمرانی تھی ایک حاکمِ اعلیٰ کی جس کو آیندہ، یعنی مستقبل میں وہ تمام کچھ کرگزرنے پر مکمل اختیار حاصل تھا جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ وہی حاکمِ اعلیٰ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ یہ وہی تو تھا اور ہوگا جو اصل حقیقت ہے۔ وہی ہر اصل کا خالق و مالک ہے۔ اُسی کا رنگ ہر اصل میں جھلکتا ہے اور اُسی نے تمام مراحل کو ایک گونا گوں سانچے میں ڈھال دیا ہے۔

اُس لمحۂ کُن کا تصور کیجیے جب لازماں سے تخلیقِ زماں (کائنات اور وقت) کا فیصلہ ہوتا ہے۔ حکم ہوتا ہے: آسمان اور زمین وجود میں آجائیں، تو فَیَکُون (پس ڈھل گئے)، یہ تمام عمل ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ اِس کائنات کو اپنے تمام مراحل طے کرنے میں اربوں سال لگ گئے اور یہ ہے بھی حقیقت، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ: ''زمین و آسمان تعمیلِ حکم میں فوری طور پر وجود میں آگئے''۔ سائنس اس وقت کو Plank Time ($۱۰^{-۴۳}$ اسیکنڈ) کا نام دیتی ہے۔ میں اُسے 'لمحۂ کُن' سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ وہ لمحہ تھا جب آسمان اور کائنات جُدا ہوچکے تھے۔ آسمانوں نے اپنی تخلیق کا عمل جاری رکھا جس کا انسانی ذرائع اور ذہن قطعی طور پر ادراک نہیں کر سکتے لیکن تخلیق عالمین میں یہ سفر پہلے ایک سیکنڈ میں تمام وسائل واسباب اور اصول کے ساتھ معرض وجود میں آچکے تھے۔

جب حکم ہوا کہ تمام آسمان اور زمین وجود میں آجائیں (اور 'کُن' جو دراصل اُس حاکمِ اعلیٰ کے ارادے ہی کا نام ہے) تو Nihility (عدم یا نیستی۔ جو خود آسمان و زمین کا تکملہ ہے) ایک دم

اربوں میل پر محیط فضا میں دھوئیں کی طرح بکھر جاتی ہے، اور وہ تمام اصول جو کائنات کی تخلیق کے لیے ضروری تھے، اس پہلے لمحے میں معرضِ وجود میں آجاتے ہیں۔ جب اصول طے پا گئے تو تخلیق نے اپنی منازل طے کرنا شروع کر دیں۔

سائنسی پس منظر کی اهمیت

قرآن کریم کے فلسفے کو سمجھنے کے لیے سائنسی پس منظر کے ساتھ دوسرے علوم کا جاننا ضروری ہے۔میں کلامِ پاک کی سب سے پہلی آیتِ کریمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا ذکر کروں گا جس میں ربُّ العزت فرماتے ہیں کہ میں ربّ ہوں عالمین (multiverse)، یعنی عوالم کا نہ کہ ایک عالَم (universe) کا۔

۲۰ویں صدی کے تقریباً اواخر تک سائنس دان اس بات پر متفق تھے کہ یہ ایک کائنات ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔۲۰ویں صدی کے آخری عشرے میں سائنس دانوں نے یہ معلوم کیا کہ ہمارا عالَم تو ایک ذرّہ ہے اور ایسے بے شمار عوالم موجود ہیں۔ سائنس دان اب تک چار متوازی طبقاتِ عوالم (Four Strata of Parallel Universes) دریافت کر چکے ہیں۔ ہم ہر Strata of Universe کو Mulltiverse کہہ سکتے ہیں جس میں بے شمار عوالم موجود ہیں اور ہر عالم میں اربوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں اربوں ستارے ہیں اور ایسی ہی ایک کہکشاں میں جس کا نام مِلکی وے (Milkyway) کہکشاں ہے، ہم رہتے ہیں۔

اس کہکشاں کا مرکز، یعنی کور (Core) یا ڈسک (Disc) ایک لاکھ نوری سال (Light Years) ہے، جب کہ ہمارا شمسی نظام اس کہکشاں کے ایک بازو پر تقریباً اس کے درمیان ہے اور اس کا فاصلہ مرکزی ڈسک سے ۲لاکھ ۲۶ ہزار نوری سال ہے، جب کہ ایک نوری سال ۶ کھرب میل کے برابر ہے۔شاید اس مختصر تعارف سے آپ کائنات کی وسعتوں کا کچھ اِدراک کر سکیں۔

کائنات: حیران کن انکشافات

یہاں پر میں آپ کو اس کائنات کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہم اس کائنات میں کس رفتار سے محوِ پرواز ہیں اور بے پناہ رفتار کے باوجود ہمیں معمولی سا چکر بھی نہیں

آتا۔ ہم زمین کے باسی ہیں اور یہ:

- زمین اپنے محور کے گرد ایک ہزار ۶ سو ۷ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے۔
- اس چکر کے ساتھ ساتھ یہ زمین اپنے مدار میں سورج کے گرد ایک لاکھ ۸ ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔
- پھر یہ زمین اپنے شمسی نظام میں رہتے ہوئے اپنی کہکشاں کے گرد ۷ لاکھ ۲۰ ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے محوِ پرواز ہے۔
- تمام شمسی نظام مِلکی وے کہکشاں میں رہتے ہوئے ۹ لاکھ ۵۰ ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنے عالم میں سفر کر رہا ہے۔
- یہ زمین اپنے متوازی طبقات عوالم کے ساتھ اپنے مرکز، یعنی اصل مقام، یعنی نقطۂ آغاز Big Bang سے ۳ لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ سے دُور بھاگ رہی ہے۔

یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ زمین جب اپنے مدار میں سورج کے گرد گھوم رہی ہے تو ہر ۱۸ میل کے بعد (یعنی ہر سیکنڈ کے بعد) اس میں ۲ء۸ ملی میٹر کا ایک جھکاؤ آتا ہے، اگر یہ جھکاؤ ۲ء۵ ملی میٹر ہو جائے، یعنی ۰ء۳ ملی میٹر کم ہو جائے تو زمین سورج سے اتنا دُور نکل جائے گی کہ کچھ عرصے میں یہ برف کا گولا بن جائے گی اور اگر اس ۰ء۳ ملی میٹر کا جھکاؤ زیادہ، یعنی ۳ء۱ ملی میٹر ہو جائے تو زمین سورج کے اس قدر قریب چلی جائے گی کہ یہ آگ کا گولا بن جائے گی۔ اسی طرح سورج کا حجم ۱ء۶x$۱۰^{-۳۰}$ سے ۲ء۴x$۱۰^{-۳۰}$ کلوگرام ہے۔ اگر یہ اس سے کم ہوتا تو زمین برفیلی ہو جاتی اور اگر یہ وزن اس سے زیادہ ہوتا تو انتہائی گرم ہو جاتی ـــــ تو کیا یہ سب اتفاقی حادثہ ہے؟

کیا ہر نک سک سے درست یہ نظم بغیر کسی طاقت کے وقوع پذیر ہو سکتا ہے؟

رسالے *Scientific American* میں Parallel Universes کے مصنف میکس ٹیگ مارک (Max Tegmark) کہتے ہیں کہ ہماری پیدایش اور کائنات کی تخلیق واقعتاً ایک اتفاقی امر ہے، جیسے مَیں اپنی تاریخِ پیدایش والے دن (۱۱ مئی) کو کسی ہوٹل میں کمرہ لینے کے لیے جاتا ہوں تو مجھے گیارھویں فلور پر ۵ نمبر کمرہ ملتا ہے تو میری خوشی کی انتہا نہیں رہتی کہ میری پیدایش والے دن مجھے ہوٹل کا فلور اور کمرہ بھی اسی نمبر کا مل گیا۔ مَیں نے مصنف کو لکھا کہ مان لیا

کہ آپ کی پیدائش اتفاقی ہوگی۔ کیا وہ ہوٹل (جس کے گیارھویں فلور پر کمرہ نمبر ۵ آپ کو ملا) بھی اتفاقی طور پر بن گیا تھا؟ اور اگر اِس ہوٹل کے ڈیزائن اور تعمیر میں کوئی انجینیر اور لیبر کارفرما تھی جو انسانی مشینری کے مقابلے میں انتہائی بے وقعت سی چیز ہے تو کیا انسانی تخلیق بغیر کسی سوپر پاور کے معرض وجود میں آسکتی تھی؟

مَیں نے ٹِیگ مارک کو مزید لکھا جیسے کہ آپ میرے اس مضمون کے متن سے اخذ کرلیں گے کہ مان لیا آپ پیرس میں صبح اتفاقی طور پر اپنی تاریخ پیدائش والے کمرے میں جاتے ہیں اور اسی دن بعد دوپہر لندن جانے کا اتفاق ہو تو آپ کی کیفیت کیا ہوگی جب پھر فلور نمبر ۱۱ پر کمرہ نمبر ۵ ملے۔ اور اگر اُسی شام آپ کو نیویارک جانے کا اتفاق ہو اور آپ کو وہاں بھی وہی کمرہ ملے، یعنی گیارھویں فلور پر کمرہ نمبر ۵ تو آپ کی کیا کیفیت ہوگی! آپ یقیناً استقبالیہ پر کھڑی لڑکی سے پوچھیں گے کہ یہ کمرہ کس نے میرے لیے بُک کیا، اور اگر جواب ملے کہ یہ اتفاقی طور پر ہوگیا تو یقیناً آپ اس کی بات پر یقین نہیں کریں گے اور ضرور کہیں گے کہ اس کے پیچھے کوئی شخص کارفرما ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپ اس کمرے میں جانا قطعی طور پر پسند نہیں کریں گے کہ شاید اس کے پیچھے کوئی سازش کارفرما ہو۔

اب اندازہ لگائیں کہ کائنات کا نظام آپ، یعنی سائنس دانوں ہی کے مطابق اربوں سالوں سے ایک خاص ڈسپلن میں کام کیے جارہا ہے اور اس کی فائن ٹیوننگ کا تو اندازہ آپ ہی کرسکتے ہیں کیونکہ (المُلک ۶۷:۳) میں ربُّ العزت فرماتے ہیں کہ کائنات کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھو کہ شاید تمھیں اس میں کوئی رخنہ نظر آجائے۔ اور پھر تکرار ہے کہ ایک مرتبہ پھر نظر اُٹھا کے دیکھو کہ شاید اس میں تمھیں کوئی رخنہ نظر آجائے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (مومن ۴۰:۵۷) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسان کو پیدا کرنے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ بڑا کام ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۱) اب اِن سے پوچھو، اِن کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا اُن چیزوں

کی جو ہم نے پیدا کر رکھی ہیں؟ اِن کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔

تخلیقِ کائنات اور انسان کی تخلیق سے متعلق خداوند قدوس فرماتے ہیں کہ تمھارا ایک مرتبہ پیدا کیا جانا اور مرنے کے بعد پھر پیدا کیا جانا تو کوئی بھی مشکل کام نہیں۔ کیونکہ یہ تو ایسا ہے جیسے کمپیوٹر سکرین پر آپ اپنا کوڈ اور بٹ میں سٹور کیا ہوا ڈیٹا، مووی، ویڈیو، پکچرز ایک کمانڈ میں دیکھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی ہمارے جینوم (Genome) پر لکھے ۳ء۵ ارب کوڈ جو ہم ہر لمحے زمین میں بکھیرتے جا رہے ہیں ایک ہی کمانڈ پر ربُّ العزت کے حضور انسانی شکل میں حاضر ہوں گے۔ کمپیوٹر کی ایجاد نے روزِ جزا کے بے شمار عقدے حل کر دیے ہیں۔ اگر آپ تفصیل میں جانا چاہیں تو ہماری بینائی، یعنی دیکھنے کے عمل کے ساتھ ہمارا انٹرنیٹ پر بصری ردعمل اُس کی ادنیٰ مثال ہے۔ یہ تفصیل کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔ بڑا کام تو تخلیقِ کائنات کا تھا، جیسا کہ سورۂ ملک میں فرمایا کہ ''تلاش کر کے تو دیکھو کہیں آپ کو کوئی اس فضائے بسیط میں کوئی رخنہ نظر آجائے''۔ پھر کائنات کی اِن وسعتوں کو اُس ربُّ العزت نے نظر نہ آنے والے ستونوں سے جیسا کہ سورۂ بروج کے آغاز میں ہے، ایک نپے تلے نظام میں جوڑ دیا ہے، اور عصرِ حاضر کے سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ یہ نظر نہ آنے والے بُرج برقی مقناطیسی میدان (Electromegnatic Fields) ہیں جنھوں نے تمام نظامِ قدرت کو ایک واضح اور صحیح رُخ میں متعین کر رکھا ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِo (یٰسٓ ۳۶:۳۹) اور چاند، اُس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ اُن سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ o (یٰسٓ ۳۶:۴۰) نہ تو سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

خداوند قدوس فرماتے ہیں کہ یہ چاند، سورج ایک مقررہ مدار میں اپنے سفر میں ایک وقتِ مقرر تک رواں دواں ہیں۔ پھر اگر قرآن کریم کی بیش تر سورتوں میں دن کو رات پر اور رات کو دن پر لپیٹنے کا ذکر ہے تو کس خوب صورت انداز میں ربُّ العزت نے زمین کے گول ہونے کے

شواہد دیے ہیں۔ اور پھر جب قیامت کی گھڑی آئے گی تو کچھ تو سو رہے ہوں گے، جب کہ کچھ اپنے کام میں مشغول ہوں گے۔ اس طرح ایک لطیف انداز میں زمین پر کہیں دن اور کہیں رات کا اشارہ دے دیا۔

سورۂ یٰسین (۳۶: ۳۹-۴۰) میں ہماری وسعتِ نظر کے مطابق قرآنِ کریم میں چاند اور ستاروں اور سورج کے سفر کا ذکر کیا۔ آج کی سائنس یہ کہتی ہے کہ اگر یہ تمام ستارے ایک جگہ پر رُکے ہوتے تو ان سے منعکس ہو کر روشنی رات کو بھی دن کے اُجالے میں بدل دیتی، لہٰذا یہ تمام ستارے اپنے ایک مقررہ مدار میں رواں دواں ہیں۔ جو دن میں اُجالے اور رات میں اندھیرے کا سبب بنتے ہیں۔

ایک مرتبہ آئن سٹائن نے کہا کہ یہ کائنات ازل سے ایسے ہی (اتفاقیہ) چل رہی ہے۔ یہ نظریہ The Fudge Factor (Steady State of Universe) اُنھوں نے پیش کیا لیکن جب ۱۹۲۹ء میں ایڈون ہبل (Edwin Hubble) نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم سے دُور کہکشائیں بڑی تیزی سے ایک دوسرے سے دُور بھاگتی نظر آ رہی ہیں، تو پھر ۱۹۳۱ء میں البرٹ آئن سٹائن نے Big Bang Theory کو مانتے ہوئے کہا کہ Fudge Factor میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اُس کے الفاظ ہیں کہ جب کوئی چیز پیدا ہوئی اور وہ اپنے سفر پر رواں دواں ہے تو پھر اُس کے پیدا کرنے والی ذات بھی ہوگی۔ ساتھ ہی ایڈون ہبل کے مشاہدے کو سراہتے ہوئے کہا کہ کائنات کی تخلیق اور ارتقا سے متعلق میں نے اس سے بہتر کوئی ثبوت نہیں دیکھا۔

کائنات کا آغاز اور اختتام

یہ کائنات جو اس قدر تیزی سے پھیل رہی ہے اور اس میں ہر ذرّہ زمین سے لے کر کائنات بسیط کی وسعتوں میں عالمین تک اپنے اپنے سفر پر رواں دواں ہیں، پھر بھی یہ ایک محدود (closed) ماڈل کی طرح کام کر رہا ہے۔ سائنس دان کائنات کے ختم اور دوبارہ شروع ہونے پر یقین رکھتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانبیاء کے حسبِ ذیل حوالے سے واضح ہے، لیکن وہ محدود ماڈل اور

حدود کے حالات (Boundry Conditions) کا ادراک نہیں کر سکتے جو قرآن حکیم میں مختلف جگہ بیان ہوئے ہیں۔ خداوند قدوس نے فرمایا ہے:

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا ط اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَo (انبیاء ۲۱:۱۰۴) وہ دن جب کہ ہم آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طُومار میں اَوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اُسی طرح ہم پھر اُس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمّے، اور یہ کام ہمیں بہرحال کرنا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ وَ جَعَلَ لَھُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْہِ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًاo (بنی اسرائیل ۱۷:۹۹) کیا ان کو یہ نہ سُوجھا کہ جس خدا نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے وہ اِن جیسوں کو پیدا کرنے کی ضرور قدرت رکھتا ہے؟ اُس نے اِن کے حشر کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کا آنا یقینی ہے، مگر ظالموں کو اصرار ہے کہ وہ اس کا انکار ہی کریں گے۔

وَھُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌo (الحج ۲۲:۶۶) اور وہی ہے جس نے تمھیں زندگی بخشی ہے، وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی پھر تم کو زندہ کرے گا۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی منکرِ حق ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo (النور ۲۴:۳۵) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے

ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے (اِس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہوگئے ہوں)۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے، وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

اس آیت کریمہ میں ربُّ العزت نے تمام کائنات کی ابتدا و آخری مادی اصول اور وہ سرحد (نچلا آسمان) جہاں تمام طبعی قوانین اختتام پذیر ہوں گے، کی نشان دہی کردی ہے، لیکن صرف اور صرف نورِ خدا ہی باقی آسمانوں میں پھیلا ہوگا کیونکہ وہی تو ہے جو تمام اصولوں کا خالق ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَo (رحمٰن ۵۵:۷) آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيْزَانِo (رحمٰن ۵۵:۸) اس کا تقاضا ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِo (رحمٰن ۵۵:۳۷) پھر (کیا بنے گا اس وقت) جب آسمان پھٹے گا اور لال چمڑے کی طرح سُرخ ہوجائے گا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِo (رحمٰن ۵۵:۳۸) (اس وقت) تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِo (الصّٰفّٰت ۳۷:۶) ہم نے آسمانِ دنیا کو تاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے۔

تمام کائنات چاروں طرف سے فٹ بال کوَر کی طرح پہلے یا نچلے آسمان سے گھری ہوئی ہے اس لیے کہ Closed Model میں ہر چیز نے تخریب یا توڑ پھوڑ کے عمل سے دوچار ہونا ہے (انفطار ۸۲:۱-۴)، جیسے اگر گلاس میز سے فرش پر گرے تو ٹوٹ جائے گا۔ ہم ایک ٹوٹے ہوئے گلاس کو پھر سے میز پر اپنی اصلی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ اس لیے کہ 2nd Law of Thermodynamic اس کی نفی کرتا ہے اور یہی Murphy Law کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور

عملِ تخریب توڑ پھوڑ کا عمل Thermodynamic Arrow of Time کی ایک مثال ہے۔ (Murphy's Laws -----> In closed system-model disorder or entropy always increases)۔ اگر یہ Open Model ہوتا تو توڑ پھوڑ کا یہ عمل وجود میں نہ آتا۔ اِس کی مثال یوں ہے کہ اگر آپ کسی گول جار سے کسی طرح تمام ہوا نکال لیں اور اس میں شیشے کی کوئی چیز رکھ دیں اور پھر زور سے ہلائیں تو وہ نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن ہماری کائنات کا عمل اس کے برعکس ہے۔

اب تصور کریں کہ اِس فضائے بسیط نے کب تک اور کہاں تک پھیلنا ہے۔ نچلے آسمان تک پہنچنے کے لیے جب یہ پھیلتی ہوئی کائنات آسمان سے ٹکرائے گی --- (Big Smash) تو مختلف Universes (عوالم) اپنے اپنے وقت میں پھیلتے ہوئے اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائیں گی۔ اس وقت نچلا آسمان بھی پاش پاش ہو رہا ہوگا۔ یہ کیفیت بڑی خوب صورتی سے سورۃ الانبیاء(۲۱:۱۰۴) میں بیان کی گئی ہے۔ خداوند قدوس فرماتے ہیں کہ اس کے لیے ہم نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وہ نہ ایک گھڑی آگے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے۔

وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ o وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ o (انفطار ۸۲:۲-۳) ''اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے، سمندر اُبل پڑیں گے، یعنی سمندروں میں آگ لگ جانے سے بڑی سٹپٹاہٹ پیدا ہوتی ہے--- لیکن جب ٹکرا کر پاش پاش ہونے کے واقعات رونما ہو رہے ہوں گے اس وقت یہ عمل جاری ہوگا اور کچھ اجرامِ فلکی ایسے بھی ہوں گے جو Black Holes میں ضم ہوجائیں گے۔ لیکن ان کا کششِ ثقل کا اثر کائنات میں پھیلتا جائے گا۔ جس سے کائنات ایک دفعہ پھر اُسی طرح گرم ہوجائے گی جس طرح یہ شروع میں تھی اور وہ درجۂ حرارت اربوں سینٹی گریڈ تک پہنچ جائے گا۔ اور پھر سمندروں کی حالت آگ کے سمندر جیسی ہوگی۔

آج کے سائنس دان محدود ماڈل پر متفق ہیں لیکن وہ نہیں جانتے یہ اس قدر وسیع اور پھیلتی ہوئی کائنات محدود ماڈل کی طرح کیسے کام کرے گی۔ کاش وہ قرآن سے رہنمائی لیتے۔ میری کتاب: *Faith in the Scientific Philosophy of Religion* جو اس وقت برطانیہ اور امریکا میں دستیاب ہے، میں اس مضمون پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ Arrows of Time

کس طرح کام کریں گے اور کائنات ایک دفعہ ختم ہونے کے بعد پھر کیسے شروع ہوگی۔

خالقِ کائنات سے متعلق

مَیں اس کی مثال کچھ یوں دیا کرتا ہوں کہ ہم دن کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں۔ جب کہ رات کے اندھیرے میں ہمیں کچھ سُجھائی نہیں دیتا۔ ہم جانتے ہیں کہ دن کی روشنی کا سبب سورج ہے۔ اگر سورج کی روشنی نہ ہوتی تو ہم دیکھنے کے قابل نہ ہوتے۔ اب اس طرح سورج بھی تو بغیر کسی مقصد، بغیر کسی وجہ کے معرضِ وجود میں نہیں آ گیا۔ اس کے پیچھے بھی تو کوئی قوت کارفرما ہے یعنی:

Each effect has to have a source and the source has a logic behind its creation and we invariably call that Source "The Nature".

ہر مظہر یا نتیجے کا ایک مبداء یا سبب ہونا لازم ہے، اور مبداء کی اپنی تخلیق کے پیچھے ایک منطق ہوتی ہے۔ ہم اس مبداء یا قوت کو لامحالہ فطرت (nature) کہتے ہیں۔

لفظ فطرت سے کسی کو اختلاف نہیں۔ میں اُسے 'اللہ' کہتا ہوں کوئی اُسے 'بھگوان' کا نام دیتا ہے اور کوئی اسے "God" کہتا ہے۔

حیران کن 'اتفاقات'

قرآن کریم (الکہف ۱۸:۲۵) میں ذکر ہے کہ وہ ۳۰۰ سال سوئے، اس میں ۹ جمع کر دیں۔ اس لطیف فرق کی تفصیل آپ جانیں تو حیران ہوں گے کہ:

۳۰۰ شمسی سال = ۳۰۰x۳۶۵ء۲۴۲۲ = ۱۰۹۵۷۲ء۶۶ دن

اور ۳۰۹ قمری سال = ۳۰۹x۱۲x ۲۹ء۵۵۰۳۲۹ = ۱۰۹۵۷۲ء۶۶ دن

یعنی خداوند قدوس نے صرف اس آیت کریمہ سے انسان کو شمسی اور قمری سال کی نسبت ۱۴۰۰ سال پہلے بتا دی۔

سورۂ انشقاق کا نمبر ۸۴ ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ پلونیم (Polonium) جس کا عنصر نمبر ۸۴ ہے اور یہ عنصر پھٹنے (Spontanous Disintegration) پر بے شمار انرجی پیدا کرتا ہے۔

اسی طرح سورۃ الحدید کا نمبر ۵۷ ہے اور لوہے کا Stable Isotop بھی ۵۷ ہے۔ کیا یہ سب اتفاقیہ ہیں؟

انسان کا لفظ قرآن پاک میں ۶۵ مرتبہ آیا ہے، آیئے اب اس کو دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ کلام پاک میں کتنی مرتبہ آئے: مٹی: ۱۷ دفعہ، نطفے کا قطرہ: ۱۲ دفعہ، غیر مکمل حالت میں بچہ: ۶ دفعہ، نیم شکل میں گوشت کا لوتھڑا: ۳ دفعہ، ہڈی: ۱۵ دفعہ، گوشت: ۱۲ دفعہ۔ گویا کہ کُل ۶۵ دفعہ۔

اسی طرح زمین کا ذکر ۱۳ مرتبہ اور سمندر کا ذکر ۳۲ مرتبہ آیا ہے۔ زمین پر پانی اور خشکی کا تناسب کس خوب صورت انداز میں ظاہر کیا گیا ہے:

زمین: ۱۳x۱۰۰=۴۵　　۲۸ء۸۸۸۸۸۸ (خشکی)

پانی: ۳۲x۱۰۰=۴۵　　۷۱ء۱۱۱۱۱۱ (سمندر)

اسی طرح کائنات اور آسمانوں کی تخلیق کا ذکر ۷ مرتبہ ہے:

دن یعنی یوم کا ذکر	=	۳۶۵ مرتبہ	(ایک سال کے دن)
ایام کا ذکر	=	۳۰ مرتبہ	(ایک ماہ کے دن)
مہینہ کا ذکر	=	۱۲ مرتبہ	(ایک سال کے مہینے)

کیا یہ سب اتفاقی امر ہے؟